اسلامی تحریکیں: ماضی اور حال

معیشت و سیاست کے محاذ پر

خلیل احمد حامدی

سوڈان میں

افریقہ کا اسلامی گیٹ وے سوڈان ہے۔ سوڈان میں اسلام کا داخلہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے ہوا۔ اس طرزِ انقلاب کو مزید ترقی ہوئی اور سوڈان کی حدود عبور کرتے ہوئے مخلص مبلغین اور پاکیزہ کردار اولیا کے جلو میں اسلام کی شعاعیں اندرونِ افریقہ (چاڈ، نائیجر، نائیجیریا، وسطی افریقہ) تک نور افگن ہو گئیں اور سیاہ فام دنیا جوق در جوق دامنِ اسلام سے وابستہ ہوتی گئی۔ نہ صرف وسطِ افریقہ، بلکہ مغربی افریقہ کے کناروں تک اسلام کا سیلِ رواں بہنے لگا۔ مہدی سوڈانی کی تحریک وہ آخری کوشش تھی جس نے سوڈان کے اسلامی تشخص کی حفاظت کی۔ اس کے بعد انگریزی استعمار آگیا جسے ۱۹۵۶ میں اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑا۔

خیال تھا کہ آزادی کے بعد سوڈان میں اسلامی نظام کا قیام عمل میں آئے گا، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ وہاں سیاسی اور عسکری حکومتیں یکے بعد دیگرے برسرِاقتدار آتی رہیں۔ سیاسی حکمرانوں میں اسماعیل ازہری اسلامی دستور کا وعدہ کرتے رہے، مگر عملدرآمد نہ کر سکے۔ عسکری حکمرانوں میں جعفر نمیری (۱۹۷۳ تا ۱۹۸۸) نے اشتراکیت کے بعد اسلام کی طرف رخ کیا، پھر خود ہی اس سے انحراف کر لیا۔ یوں سوڈان، پاکستان کی طرح اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش کا میدان بنا رہا۔ جون ۱۹۸۹ میں جنرل عمر حسن بشیر کی قیادت میں سوڈان میں فوجی حکومت قائم ہو گئی۔ چونکہ جنوبی سوڈان میں جارج قرنق کی بغاوت کامیابی کو چھو رہی تھی، تمام عیسائی طاقتیں اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں، سیاسی حکومت حالات پر قابو پانے سے عاجز آ رہی تھی، اور قریب تھا

کہ جنوبی سوڈان علیحدہ ہو جائے اور سوڈان کا عظیم ملک تاریخ کے بہت بڑے حادثے سے دو چار ہو جائے' چنانچہ جنرل عمر بشیر اور سوڈان کی اسلامی تحریک نے یکایک حالات کو ہاتھ میں لے لیا اور یوں سقوطِ جنوب کے حادثے سے سوڈان بچ گیا۔

جنرل عمر بشیر اور اس کے رفقا اور اسلامی تحریک کے مابین اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ سوڈان کو اقتصادی لحاظ سے خود کفیل' سیاسی لحاظ سے مکمل خود مختار اور مذہبی لحاظ سے اسلام کی تجربہ گاہ بنایا جائے۔ ان تینوں امور میں سوڈان کی موجودہ انقلابی حکومت نے ۴ سال کے عرصے میں حیرت انگیز کارکردگی دکھائی ہے۔ یہاں اس کارکردگی کی تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔

اقتصادی لحاظ سے سوڈان اس حد تک خود کفیل ہو چکا ہے کہ اسے خوراک باہر سے درآمد کرنے کی ضرورت نہیں رہی' حالانکہ سوڈان آزادی سے لے کر ۱۹۸۹ تک ۸۰ فیصد خوراک (گندم' گھی اور شکر) امریکہ سے لے کر کھاتا تھا۔ اس گداگری نے اس کی خودی پامال کر کے رکھ دی تھی۔ اب سوڈان کے پاس یہ تمام اشیا اس قدر وافر ہیں کہ وہ برآمد کر رہا ہے۔ لباس اور دیگر ضروریاتِ زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ مشہور مثل ہے کہ جس کے اختیار میں اپنی روٹی نہیں ہے' اس کا فیصلہ بھی اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔ روٹی میں خود انحصاری دوسروں کی درگاہ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوڈان اب امریکہ یا کسی اور طاقت کا محتاج نہیں ہے' اور اپنی پالیسیوں میں خود مختار ہے۔ سوڈان کو مکمل اسلامی ریاست بنانے کے لیے بھی موجودہ حکومت ٹھوس اقدامات کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں وہ قانون کے استعمال سے زیادہ تربیتی وسائل سے کام لے رہی ہے۔ تعلیم' صحت' ابلاغِ عامہ اور قومی رہنمائی کے تمام ادارے منکرات کے استیصال اور معروفات کی ترویج میں لگے ہوئے ہیں۔ قوم کے اندر جہاد کی روح بیدار کی جا رہی ہے اور "پیپلز ڈیفنس" کے نام سے قوم کے تمام طبقوں کو عسکری' روحانی اور اخلاقی تربیت دی جا رہی ہے۔ اسلامی بنکوں کے ذریعے پسماندہ طبقوں کے لیے کاروبار کھول کر بے روزگاری کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ سوڈان کی زمین انتہائی زرخیز ہے' مگر صدیوں سے غیر آباد چلی آ رہی ہے۔ اسے ہنگامی اصولوں پر آباد کر کے بنجر سوڈان کو لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ تین کروڑ کی آبادی والے ۹ صوبوں کے ملک میں ۲۳ یونیورسٹیاں قائم کر دی گئی ہیں اور تعلیم کا جال بچھا دیا گیا ہے۔

دورِ حاضر میں سوڈان وہ خوش قسمت ملک ہے جس نے اسلامی نظام کے قیام میں دوسرے

مسلم ممالک سے سبقت حاصل کی ہے۔ مگر اے روشنیِ طبع تو برمن بلا شدی۔ امریکہ سوڈان کے اسلامی رخ کو دیکھ کر آتشِ زیر پا ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے دوستوں کے ذریعے (جن میں خلیجی ممالک سرِفہرست ہیں) اس کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ وہ سوڈان کو باہر سے پٹرول کا ایک قطرہ نہیں لینے دے رہا۔ چنانچہ وہ صرف ایران سے' اور وہ بھی نقد قیمت دے کر' تیل خرید کر گزارا کر رہا ہے۔ سوڈان کئی اشیا کو برآمد کرتا ہے' مثلاً گندم' چینی' مویشی اور جنگلی جانوروں سے حاصل ہونے والی چیزیں (سانپ کی کینچلی' شیر کی کھال' ہاتھی کے دانت وغیرہ)' مگر امریکہ نے ان اشیا کی برآمد پر ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ امریکہ سوڈان کو "دہشت گرد" قرار دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ مگر سوڈان کی باضمیر اور جرات مند حکومت اور قوم امریکہ کے آگے ابھی تک سینہ سپر ہے۔ خدا خیر کرے۔

یمن میں

خلیجی ممالک میں یمن (شمالی حصہ اور جنوبی حصہ دونوں متحد ہو چکے ہیں) وہ واحد ملک ہے جہاں بادشاہی یا شیخی نظام نہیں ہے اور جہاں کسی درجہ میں انتخابی پارلیمنٹ کا قیام عمل میں آتا ہے۔ تاریخ' مزاج اور زبان و نسل کے لحاظ سے شمالی یمن اور جنوبی یمن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ شمالی یمن مغربی استعمار کی دستبرد سے بچا رہا ہے۔ اس پر صدیوں تک ائمہ کی حکمرانی رہی ہے' جو مذہب کے لحاظ سے زیدی تھے۔ آخری امام' حمیدالدین اور اس کے بعد اس کا بیٹا امام بدر تھا' جس کا تختہ ۱۹۶۳ میں فوجی جرنیل سلال نے الٹ دیا تھا اور وہاں جمال عبدالناصر (مصر) کے تعاون سے اشتراکی آمریت قائم کر دی تھی' اور ملک کا اقتصادی اور اخلاقی لحاظ سے وہی حشر ہو گیا تھا جو اشتراکیت کے پنجۂ استبداد میں آنے والوں کا ہوا۔ اب بھی وہاں فوج کی بالواسطہ حکمرانی ہے اور اشتراکیت اور بعث پارٹی کے بچے کھچے عناصر آخری سانس لے رہے ہیں۔

جنوبی یمن پر انگریزی اقتدار ۱۹۶۳ تک رہا۔ انگریز حکمران کا ہیڈ آفس عدن میں تھا۔ اور جنوب میں ۹ شیخی ریاستیں تھیں' جن کے مقامی نواب انگریز کے ماتحت تھے۔ ان کو "ولایاتِ محروسہ" کہا جاتا تھا۔ آزادی کے وقت انگریز جنوبی یمن لیگ کو (جس میں اسلامی ذہن رکھنے والے عناصر بھی تھے) اقتدار سونپنے کے بجائے پیپلز لبریشن فرنٹ کو اپنا جانشین بنا گئے' جس پر بائیں بازو اور اشتراکی عناصر کا قبضہ تھا۔ پیپلز لبریشن فرنٹ نے "سابقہ" سوویت یونین کے ساتھ دوستی گانٹھ لی' اس کے سہارے حکمرانی کا تخت بچھا لیا' اور اسلام اور اسلامی اداروں کو ہر لحاظ سے تباہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ سوویت یونین کے سقوط اور کمیونزم کی پسپائی کے بعد ۱۹۹۱ میں

شمالی یمن اور جنوبی یمن دونوں متحد ہو چکے ہیں۔ اب یمن کی دو بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں۔ ایک حزبِ اشتراکی (جو جنوب کی نمائندگی کرتی ہے اور جسے پیپلز لبریشن فرنٹ ختم کر کے تشکیل دیا گیا ہے) اور دوسری نیشنل کانگریس جو شمال کی نمائندہ ہے۔ ان دو پارٹیوں کے مقابلے میں یمن کے اسلامی حلقوں نے مل کر اپنا اسلامی محاذ تشکیل دے لیا ہے جس کا نام "التجمع الیمنی للاصلاح" (یمن اصلاحی کنونشن) ہے۔

۲۷ اپریل ۱۹۹۳ کے انتخابات میں متحدہ یمن کے اندر نیشنل اسمبلی کے انتخابات ہوئے ہیں۔ ان میں تینوں پارٹیوں نے حصہ لیا۔ "یمن اصلاحی کنونشن" نے اس انتخاب میں ۳۰۱ نشستوں میں سے ۶۸ نشستیں حاصل کیں، جبکہ سابق شمالی یمن کی حکمران پارٹی پیپلز کانگریس نے اوّل پوزیشن اور سابق جنوبی یمن کی حکمران پارٹی الحزب الاشتراکی نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ یمن اصلاحی کنونشن نے، جس کے صدر یمن کی نامور اور قابلِ احترام شخصیت عبداللہ الاحمر ہیں، پہلے تو اپوزیشن میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا، مگر صدر یمن علی صالح عبداللہ کی نیشنل کانگریس کے معتدل عناصر نے اسے آمادہ کر لیا کہ وہ مخلوط حکومت میں شامل ہو جائے۔ اصلاحی کنونشن کی طرف سے یمن کے دستور میں اسلامی دفعات کے اضافے اور چند اور اصلاحی اقدامات کی شرائط پیش کی گئیں جنھیں نیشنل کانگریس نے سرانجام دینے کا وعدہ کر لیا اور اصلاحی کنونشن مخلوط حکومت میں شریک ہو گیا۔ اصلاحی کنونشن کے صدر عبداللہ الاحمر کو نیشنل اسمبلی کا سپیکر منتخب کر لیا گیا ہے، جنھیں دونوں سرکاری پارٹیوں کے سنجیدہ عناصر پسند کرتے ہیں۔ مزید برآں کنونشن (یا اسلامی محاذ) کو وزارتیں بھی دی گئی ہیں، ان میں وزارت تعلیم، وزارت صحت، وزارت تجارت و خوراک اور وزارت بلدیات شامل ہیں۔ ۱۷ اکتوبر کو جو صدارتی کونسل منتخب کی گئی اس کے دو رکن نیشنل کانگریس، دو رکن حزب اشتراکی اور ایک رکن اسلامی محاذ (اصلاحی کنونشن) کا لیا گیا ہے۔ اصلاحی کنونشن کی طرف سے یمن، بلکہ عالمِ اسلام، کی نامور شخصیت جناب عبدالمجید زندانی رکن نامزد کیے گئے ہیں۔ وہ اس کونسل میں رتبے کے لحاظ سے تیسری اہم شخصیت ہیں۔

بد قسمتی سے یمن کے صدر علی عبداللہ صالح اور سابق جنوبی یمن کے حکمران علی سالم البیض کے درمیان اختلافات نے سر اٹھا لیا ہے۔ یمن شدید خانہ جنگی کا شکار ہے۔ صنعا اور عدن تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ شمالی یمن ہر قیمت پر جنوبی یمن کو اپنے ساتھ رکھنا چاہ رہا ہے۔ جنوبی یمن کو یقین ہے کہ یہ اصرار اس کی تیل کی دولت پر قبضہ کے لیے ہے۔ اس اصرار نے فوج کشی اور گولہ باری کی صورت اختیار کر لی ہے۔ دونوں فتح کے مژدے سنا رہے ہیں، لیکن کوئی بھی اتنا

طاقت ور نہیں کہ دوسرے کو زیر کرے۔

یمن کی اسلامی تحریک کے لیے مخلوط حکومت میں شمولیت پہلا تجربہ ہے۔ دونوں حلیف پارٹیاں فکر و نظر کے لحاظ سے اسلامی تحریک سے بڑا فاصلہ رکھتی ہیں' مگر جو امتیاز اسلامی تحریک کو حاصل ہے اس سے دونوں حلیف پارٹیاں خالی ہیں۔ جنوبی یمن کی حزبِ اشتراکی سقوطِ کمیونزم کے بعد ذہنی شکست سے دو چار ہے۔ سیاسی و اقتصادی لحاظ سے اس نے جنوب میں اپنے دورِ حکمرانی کے اندر کوئی قابلِ رشک اثرات نہیں چھوڑے۔ بلکہ عدن سے لے کر حضر موت تک تمام صوبے اقتصادی بدحالی' اخلاقی بے راہ روی اور مذہبی آزمایش سے دو چار ہوئے۔ نیز سقوطِ کمیونزم سے پہلے جنوبی یمن کے دو اشتراکی گروپوں کے درمیان ۴ ماہ تک شدید خانہ جنگی نے بھی جنوبی عوام کو اشتراکیت سے متنفر کر دیا اور ان کے اندر اسلامی اور عربی جذبات امڈ آئے۔ اسی دباؤ کے نتیجے میں جنوبی قیادت کو شمالی یمن کے ساتھ اتحاد کرنا پڑا۔ جہاں تک شمالی یمن کی نیشنل کانگریس کا تعلق ہے تو اسے بھان متی کا کنبہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ اس میں بعثی نظریات کے حامل افراد بھی موجود ہیں' شکست خوردہ عرب قوم پرست اور جمال عبدالناصر کے نام لیوا بھی۔ ابن الوقت قبائلی سردار بھی' اور کچھ نیک اور مخلص لوگ بھی اس کے دامن سے وابستہ ہیں جو یمن کو اسلامی ریاست دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں کے مقابلے میں اسلامی محاذ کے پاس تربیت یافتہ کارکنوں کی بہترین ٹیم موجود ہے' جو بے داغ ماضی' پاکیزہ کردار' ایمانی جرات اور ربانی حکمت و دانش سے بہرہ ور ہے۔ مگر کیا نیو ورلڈ آرڈر اسے برداشت کرے گا۔ اس کا جواب مستقبل قریب میں مل سکتا ہے۔ جو چیز بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ تحریکِ اسلامی خواہ حکومت میں شامل رہے یا نہ رہے' وہ ملک کی ایک مضبوط طاقت ہے۔ اس میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے جو جوان جہاد کے دوران افغانستان کی وادیوں سے گزر چکے ہیں' وہ اس کی روحِ رواں ہیں۔ ان کے جذبۂ ایمانی کو کوئی طاقت پسپا نہیں کر سکتی۔

ملائشیا میں

مشرقِ بعید میں دو بڑے مسلمان ممالک ہیں: انڈونیشیا اور ملائشیا۔ سیاسی لحاظ سے ملائشیا کسی حد تک جمہوریت اور بنیادی آزادیوں سے بہرہ مند ہے' جبکہ انڈونیشیا آزادی کے بعد مسلسل آمریت کے نرغے میں چلا آرہا ہے۔ پہلے سو کار نو (۱۹۴۵-۱۹۶۵) کی آمریت چھائی رہی اور پھر آج تک (۱۹۶۵-۱۹۹۳) سوہار تو کی آمریت چلی آ رہی ہے' جسے مقامی عیسائیوں اور لادینوں کی حمایت کے ساتھ مغرب کی پوری آشیر باد حاصل ہے۔ ملائشیا کے حالات شروع سے مختلف چلے

آرہے ہیں۔ یہ ملک انگریزی استعمار سے ۱۹۵۷ میں آزاد ہوا۔ اس وقت مجمع الجزائر ملایا کا صدر مقام سنگا پور تھا۔ ۱۹۶۳ میں ملایا کی ۱۱ ریاستوں نے سنگا پور کے ساتھ مل کر فیڈریشن آف ملائشیا کی تشکیل کی۔ ۱۹۶۵ میں دو مزید ریاستوں صباح اور سرواک نے اس فیڈریشن میں شرکت کا اعلان کیا۔ چینیوں کی اکثریت کے غلبہ کے اندیشہ نے بالاخر سنگاپور کو الگ کر دیا۔ جب کہ مذکورہ ۱۳ ریاستوں پر مشتمل ملائشیا وجود میں آگیا اور کوالالمپور اس کا دارالحکومت تجویز ہوا۔ ملائشیا کی کل آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔ اس میں ۵۸ فیصد ملائی مسلم' ۳۱ فیصد چینی' ۱۱ فیصد انڈین اور دیگر اقوام پائی جاتی ہیں۔

یہاں دو بڑی اسلامی تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ ایک **ملائشین** ینگ مسلم آرگنائزیشن جسے اے بیم کہتے ہیں۔ یہ ان نوجوانوں نے تشکیل دی ہے جو یورپ اور امریکہ میں پڑھتے رہے ہیں اور وہاں اسلامی تحریکوں کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ یہ لوگ مولانا مودودیؒ اور امام حسن البناؒ کی دعوت و تحریک سے متاثر ہیں۔ ان کی موجودہ پالیسی ڈاکٹر محاضر کی حکومت سے تعاون پر مبنی ہے۔ چنانچہ اے بیم کے سابق سربراہ انور ابراہیم محاضر حکومت میں ۸ سال سے وزیر چلے آرہے ہیں۔ آج کل وزارتِ خزانہ ان کے پاس ہے۔ انھوں نے مزید ترقی یہ کی ہے کہ گورنمنٹ پارٹی U M N O (یونائیٹڈ **ملائشین** نیشنل آرگنائزیشن) کے حالیہ پارٹی الیکشن (نومبر ۱۹۹۳) میں وہ ڈپٹی چیئرمین منتخب ہو گئے ہیں۔ چیئرمین خود وزیر اعظم ہوتا ہے۔ گویا وہ مستقبل کے وزیراعظم کہے جا سکتے ہیں۔ دوسری اسلامی تحریک اسلامک پارٹی ہے جس کا مخفف "پاس" ہے۔ اس کا قیام ۱۹۵۱ میں عمل میں آیا تھا۔ پہلے تو یہ ایک محض مسلم تنظیم کی حیثیت سے ابھری تھی جیسی پاکستان میں مسلم لیگ' لیکن ۱۰ سال سے اس پر تحریکِ اسلامی سے وابستہ لوگوں کا غلبہ ہے۔ اور اب اس کا دعوتی و تربیتی نظام اور پوری فکر اسلامی تحریک کے رنگ میں ڈھل چکی ہے۔ اس کے سربراہ استاذ فاضل نور ہیں۔ اس نے ملائشیا کو صحیح معنوں میں "اسلامی ریاست" میں تبدیل کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ دنیا کی دوسری اسلامی تحریکوں کے ساتھ بھی اس کے تعلقات قائم ہیں۔ ۱۹۸۹ کے انتخابات میں "پاس" کو ریاست **کلنتان** میں مقامی انتخابات میں اکثریت حاصل ہوئی ہے اور اس نے وہاں اپنی حکومت تشکیل دی' جس کے سربراہ (منتری بیسار) ایک وسیع النظر عالمِ دین' نک عبدالعزیز ہیں۔ مرکز میں "امنو" کی حکومت سیکولرزم کی علمبردار ہے جبکہ "پاس" اسلامی نظام کی داعی ہے اور **کلنتان** میں اس نے اپنے اختیارات کی حد تک اسلامی نظام کا نفاذ شروع کر رکھا ہے۔ اس نے **کلنتان** میں شراب' جوئے اور قحبہ گری پر پابندی عائد کر دی ہے' ملازمین کی تنخواہوں میں

معقول اضافہ کر دیا ہے' جدید تعلیم اور دینی تعلیم کو یکجا کر دیا ہے۔ ریاستی زمین جو عرصے سے غیر آباد پڑی تھی غریب کاشتکاروں میں تقسیم کر دی ہے۔ بے روزگاری کا تقریباً خاتمہ کر دیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا جامع اور مربوط نظام جاری کر دیا ہے تاکہ لوگوں کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر اسلامی اصلاحات کے لیے تیار کیا جا سکے۔ "تقویٰ بستی" کے نام سے دیہی علاقوں میں صاف ستھرے گاؤں قائم کیے جا رہے ہیں۔ ریاستی سرمائے کو سودی بنکوں سے نکال کر غیر سودی بنکوں میں رکھ دیا گیا ہے۔ "اسلامی رہن" سسٹم جاری کر کے کم آمدنی والے لوگوں کو قرضِ حسنہ دیا جا رہا ہے۔ اس سسٹم کے تحت لوگوں سے کچھ چیزیں رہن رکھ لی جاتی ہیں اور قرض دے دیا جاتا ہے اور جب وہ قرض واپس کرتے ہیں تو ان کی اشیا ان کو واپس دے دی جاتی ہیں۔ ریاست کا وزیر اعلیٰ اپنی سابقہ کٹیا میں رہتا ہے۔ اس نے اپنے لیے نہ کوئی گارڈ لی ہے اور نہ کوئی گھریلو خادم۔ اس کی سادگی نے عوام کو انگشت بدنداں کر رکھا ہے۔ ریاست کلنتان کی یہ اصلاحات پڑوسی ریاستوں پر بھی اثر انداز ہو رہی ہیں۔ مرکزی حکومت کی طرف سے ریاست کی اسلامی حکومت کو کوئی تعاون نہیں مل رہا ہے۔

(جاری ہے)

سید علی گیلانی کی تصنیف

رودادِ قفس

قیمت: -/۱۲۰ روپے

ہم سے منگوائیں
۱۰۰ روپے کی کتب مفت حاصل کریں
ڈاک خرچ -/۱۵ روپے بذمہ خریدار

البدر پبلی کیشنز اردو بازار، لاہور